© rasailojaraid.com

کاروبار پے منٹ (PAYMENT): کی شرعی حیثیت

ڈاکٹر مولانا عبدالعلی اچکزئی (اسسٹنٹ پروفیسر اسلامک یونیورسٹی بلوچستان کوئٹہ)

جس طرح مال کی ضرورت اور اس کے مدار زندگی ہونے پر ساری دنیا اور ہر قوم وملت کا اتفاق ہے، اسی طرح اس پر اتفاق ہے کہ اس کی تحصیل کے کچھ ذرائع پسندیدہ اور جائز ہیں اور کچھ ناپسندیدہ اور ناجائز۔ مولانا ڈاکٹر عبدالعلی اچکزئی صاحب نے کاروبار پے منٹ کی مختلف شکلیں جو سود (ربوا) سے مشابہ ہیں، اس پر اپنی تحقیق پیش کی ہے۔ حضرت مولانا کی تحقیق افادۂ عام کے لئے مجلہ میں شامل کی جارہی ہے۔ قارئین حضرات کو تبصرہ کی دعوت دی جاتی ہے۔ (ادارہ)

آج کل ہمارے ہاں ایک ایسا کاروبار زوروں پر ہے جسے ''پے منٹ'' کا کاروبار کہا جاتا ہے، پے منٹ اگرچہ ایک انگریزی لفظ ہے، اور اس کا لغوی مطلب صرف ''رقم کی ادائیگی'' ہے، لیکن اس کے نام پر جو کاروبار ہو رہا ہے اس نے بہت سے خاندانوں کو معاشی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا ہے، اور آئے دن اس کاروبار سے معاشرے میں لوگوں کے درمیان تنازعات بھی پیدا ہوتے رہتے ہیں، اس کاروبار کی مختلف شکلیں ہوتی ہیں، جن میں سے بعض سراسر حرام اور سُود پر مبنی ہوتی ہیں اور بعض سُود سے مشابہ ہوتی ہیں۔

نمبر شمار	ذیلی عنوانات	نمبر شمار	ذیلی عنوانات
۱	تمہید	۵	بیع مؤجل (ادھار پر فروخت)
۲	بیع العینۃ	۶	علمائے کرام وفقہائے کرام کی رائے
۳	بیع العینۃ کی مختلف قسمیں	۷	مراجع ومصادر
۴	ربوا النسیئۃ (وقفہ کے عوض ادئیگی)		

اس وقت اس کاروبار کی درج ذیل شکلیں مروّج ہیں:

۱۔ بیع العینۃ. ۲۔ ربوا النسیئۃ. ۳۔ بیع مؤجل

اب ذیل میں ان مذکورہ شکلوں کا جائزہ لیا جاتا ہے اور اس کی شرعی حیثیت متعین کی جاتی ہے۔

الف۔ بیع العینۃ:

اس بیع کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک نقد رقم کی ضرورت رکھنے والا حاجتمند، پے منٹ کا کاروبار کرنے والے فرد سے ایک چیز ''مبیع'' زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے اور یہ خریداری ادھار پر ہوتی ہے اور چونکہ خریدنے والا (مشتری) ضرورت مند ہوتا ہے اور اصل میں وہ قرض لینا چاہتا ہے، لیکن قرض بغیر معاوضے کے نہیں ملتا، اس لئے وہ اس خریدی ہوئی چیز ''مبیع'' کو کم قیمت پر واپس بائع کے ہاتھوں اس حال

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں فروخت کرتا ہے کہ بائع کی جانب سے اس ''مبیع'' کے ثمن (قیمت) پر قبضہ بھی نہیں ہوتا، یا یہ خریدار اس چیز کو بازار میں کسی اور کے ہاتھوں کم قیمت پر فروخت کرتا ہے تا کہ اسے کچھ نقد رقم ملے جسے وہ اپنی ضرورت پوری کرے، شریعت اسلامی اس قسم کی کاروبار کی اجازت نہیں دیتا۔ ذیل میں اس بیع کی تعریف اوراس کے عدم جواز کے بارے میں مختلف فقہاء کے اقوال وآثار ذکر کئے جاتے ہیں۔

صاحب القاموس الفقہی ''بیع العینة'' کی تعریف اس طرح بیان کرتے ہیں:

فی قول للحنفیة: ان یاتی الرجل المحتاج الی آخر، ویستقرضه عشرة دارهم، ولایرغب المقرض فی الاقراض طمعًا فی فضلٍ لاینالهُ بالقرض، فیقول: لا أقرضک ولکن ابیعکَ هذا الثوب ان شئت باثنی عشر دِرهمًا، وقیمته فی السوق عشرة، لتبیعه فی السوق بعشرة، فیرضی به المستقرض، فیبیعه کذلک، فیصل لِصاحب الثوب درهمان وللمشتری قرض عشرة. (۱)

''احناف کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ ایک حاجتمند آدمی دوسرے کے پاس آئے اوراس سے مثلاً دس دراہم قرض مانگے اور قرض دینے والا قرض دینے میں رغبت ظاہر نہ کرے اس لئے کہ قرض دینے سے اس کے مال میں زیادتی نہیں ہوتی، تو مال میں زیادتی کی حرص کی وجہ سے وہ یہ کہے کہ میں تمہیں قرض تو نہیں دیتا لیکن میں یہ کپڑا اگر تو چاہے تو تیرے ہاتھ بارہ درہم بیچتا ہوں اور بازار میں اس کی قیمت دس درہم ہے تو اس کو بازار میں دس درہم میں فروخت کر لینا، قرض لینے والا اس پر راضی ہوتا ہے، پس اس طرح وہ سودا کر لیتا ہے، اس سے کپڑے کے مالک کو دو درہم اضافی نفع حاصل ہوتا ہے اور مشتری کو دس درہم قرض ملتا ہے۔''

ڈاکٹر وھبۃ الزحیلی اس بیع کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

هو بیع یراد منه ان یکون حیلة للقرض بالربا، بان یبیع رجل شیئا بثمن نسیئة ولم یقبض، ثم یشتریه فی الحال، وسمی بالعینة لان مشتری السلعة اِلی أجل یاخذ بدلها عینا ای نقدًا حاضِرًا. (۲)

''**بیع العینة**'' ایسی بیع ہے جس کے ذریعے قرض کو سود پر لینے کا حیلہ کیا جاتا ہے، وہ اس طرح کہ ایک شخص ایک چیز ادھار پر بیچ لیتا ہے، اور ثمن پر قبضہ کرنے سے قبل ہی اس چیز کو بائع (کم قیمت پر) نقد خرید لیتا ہے، اوراسے ''عینہ'' اس لئے کہا جاتا ہے کیونکہ ادھار پر سامان خریدنے والا اس کا بدل ''عین'' یعنی نقد حاصل کر لیتا ہے۔''

اس بیع کا حکم بیان کرتے ہوئے وہ مزید لکھتے ہیں:

''**جمهور الفقهاء غیر الشافعیة: قالوا بفساد هذ البیع وعدم صحته: لانه ذریعة الی الربا، وبه یتوصل الی إباحة مانهی الله عنه، فلایصح.**'' (۳) ''جمہور فقہاء سوائے شوافع کے یہ کہتے ہیں کہ یہ بیع فاسد ہے اور صحیح نہیں ہے، کیونکہ یہ سود کا ایک ذریعہ ہے اور جس چیز (یعنی سود) سے اللہ نے منع کیا ہے اس تک پہنچنے کا ایک وسیلہ ہے اس لئے صحیح نہیں۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فتاوی عالمگیری میں ہے:"اختلف المشائخ فی تفسیر العینة التی ورد النهی عنها قال بعضهم تفسیرها ان یاتی الرجل المحتاج الی آخر ویستقرضهُ عشرة دراهم ولایرغب المقرض فی الاقراض طمعا فی الفضل الذی لاینالہ فی القرض فیقول لیس بتیسر علی الاقراض ولکن ابیعک هذ الثوب ان شئت باثنی عشر درهما وقیمته فی السوق عشرة لتبیع فی السوق بعشرة فیرضی به المستقرض فیبیعه المقرض منه باثنی عشر درهما ثم یبیعه المشتری فی السوق بعشرة لیحصل لرب الثوب ربح درهمین بهذه التجارة ویحصل للمستقرض قرض عشرة وقال بعضهم تفسیرها ان یدخلا بینهما ثالثا فیبیع المقرض ثوبه من المستقرض باثنی عشر درهما ویسلم الیه ثم یبیع المستقرض من الثالث الذی ادخلاه بینهما بعشرة ویسلم الثوب الیه ثم ان الثالث یبیع الثوب من صاحب الثوب وهو المقرض بعشرة ویسلم الثوب الیه ویاخذ منه العشرة ویدفعها الی طالب القرض فیحصل لطالب القرض عشرة دراهم ویحصل لصاحب الثوب علیه اثناء عشر درهمًا". (۴)

''اور وہ عینہ جس کے بارے میں شرعی ممانعت آئی ہے، اس کی تفسیر میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے بعضوں نے کہا کہ اس کی صورت یہ ہے کہ ایک حاجتمند آدمی دوسرے کے پاس جائے اور اس سے مثلاً دس درہم قرض مانگے اور قرض دینے والا قرض دینے میں رغبت نہ کرے، اس لئے کہ قرض دینے سے اس کے مال میں زیادتی نہیں ہوتی تو مال میں زیادتی کی حرص کی وجہ سے وہ یہ کہے کہ قرض دینے میں تو مجھ کو اسانی نہیں ہے ولیکن میں یہ کپڑا اگر تو چاہے تو تیرے ہاتھ بارہ درم کو بیچتا ہوں اور بازار میں اس کی قیمت دس درم ہے تو اس کو بازار میں دس درہم میں بیچ لینا، اور قرض لینے والا اس پر راضی ہو جائے، پس قرض دینے والا بارہ درہم میں اس کے ہاتھ فروخت کرے پھر قرض لینے والا اس کو بازار میں دس درہم پر بیچے اور اس تجارت سے اس کپڑے کے مالک کو دو درہم کا نفع حاصل ہوا، اور اس سے قرضدار کو دس درہم حاصل ہوئے اور بعض مشائخ نے اس کے یہ معنی بیان کئے کہ وہ دونوں تیسرا شخص درمیان میں ڈالیں، پس قرض دینے والا اپنا کپڑا قرض لینے والے کے ہاتھ بارہ درہم میں بیچ کر اس کے سپرد کر دے، پھر قرض لینے والا تیسرے کے ہاتھ میں دس درہم میں بیچ کر اس کے سپرد کر دے پھر تیسرا اس کپڑے کو کپڑے والے کے ہاتھ میں دس درہم میں فروخت کر کے اس کے سپرد کر دے، دس درہم اس سے لے لے اور وہ درہم قرض مانگنے والے کو دے دے، پس قرض مانگنے والے کو دس درہم ملیں گے اور کپڑے کے مالک کے اس پر بارہ درہم قرض ہونگے۔''

اس بیع کی تعریف کرتے ہوئے صاحب الھدایۃ لکھتے ہیں: مثل ان یستقرض من تاجر عشرة فیتأبّی علیه ویبیع منه ثوبا لیساوی عشرة بخمسة عشر مثلاً رغبة فی نیل الزیادة لیبیعه المستقرض بعشرة ویتحمل علیه خمسة." (۵)

(''بیع عینة'' کی تعریف یہ ہے کہ) مثلاً کوئی شخص کسی تاجر سے دس درم قرض مانگے، پس تاجر مذکورہ قرض دینے سے انکار کرے اور قرض مانگنے والے کے ہاتھ دس درم قیمت کا کپڑا بعوض پندرہ درم کے مثلاً ادھار دینے پر اس مطلب سے راضی ہو کہ مجھے زیادتی حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوگی، تاکہ قرض مانگنے والا اس کو لے کر نقد دس درم کو بیچ لے اور قرض مانگنے والا اپنے اوپر پانچ درم اٹھاوے۔''

اسی طرح امام شوکانیؒ لکھتے ہیں:

قال الرافعی وبیع العینة هو ان یبیع شیئًا من غیره بثمن موجل ویسلمه الی المشتری ثم یشتریه قبل الثمن بثمن نقد اقل من ذلک القدر انتهی. (٦)

یعنی کوئی شخص کسی پر کوئی چیز ادھار فروخت کرے اور پھر اس چیز کو مشتری کے حوالے کردے اور اس کے بعد قیمت پر قبضہ کرنے سے قبل وہ مشتری سے کم قیمت پر نقد کی صورت میں خرید ے اسے بیع عینة کہتے ہیں۔

بیع عینة کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

''سمی به لما فیه من الاعراض عن الدین الی العین وهو مکروه لما فیه من الاعراض عن مبرة الاقراض مطاوعة لمذموم البخل.'' (٧)

''اس بیع کا نام عینہ اس واسطے رکھا گیا کہ اس میں دین سے عین کی طرف اعراض ہے (یعنی قرضہ نہ دیا بلکہ کچھ مال کا نفع قصد کیا اور ایک مال عین اس کو دے دیا) اور عینہ مکروہ ہے کیونکہ اس میں بخل مذموم کی پیروی کر کے قرض دینے کی نیکی سے مُنہ موڑنا لازم آیا ہے (یعنی قرض دینا ایک نیکی تھی اس کو چھوڑ کر اور اس سے مُنہ موڑ کر بخل سے ایسی بات کی طرف آیا جس میں کچھ مال مِل جاوے پس یہ مکروہ تحریمی ہے)۔''

اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں علامہ مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

ومن اشترای جاریة بالف درهم حالة اونسیة فقبضها ثم باعها من البائع بخمس مائة قبل ان ینقد الثمن لایجوز البیع الثانی.'' (٨)

''اگر کسی نے ایک باندی ہزار درم کو خریدی خواہ دام نقد ٹھہرے یا ادھار میعادی میں، پھر مشتری نے باندی پر قبضہ کرلیا اور دام دینے سے پہلے اس باندی کو اپنے بائع کے ہاتھ پانچ سو درم کو فروخت کیا، یعنی ثمن اول کی جنس کے عوض کم بیچا تو دوسری بیع جائز نہیں ہے۔''

بیع کی اس قسم کی فساد کی علت بیان کرتے ہوئے المرغینانی لکھتے ہیں:

ولان الثمن لم یدخل فی ضمانه فاذا وصل الیه المبیع ووقعت المقاصة بقی له فضل خمس مائة وذلک بلاعوض. (٩)

''اور اس لئے کہ ثمن ابھی تک بائع کی ضمانت میں داخل نہیں ہوا، یعنی ابھی تک قبضہ میں نہیں آیا تو مضمون نہ ہوا، پھر جب بائع کو مبیع پہنچ گئی یعنی دوبارہ بیع ہوئی اور باہمی مقاصہ یعنی برابر کا بدلہ کیا گیا تو بائع کے واسطے پانچ سو درم زائد بذمہ مشتری باقی رہے، حالانکہ یہ زیادتی بلاعوض ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

امام شوکانیؒ لکھتے ہیں کہ بیع عینۃ امام مالک، امام ابوحنیفہ، امام احمد اور ہادویۃ کے نزدیک جائز نہیں ہے انہوں نے اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں ان ائمہ کی تفصیلی دلائل بیان کیے ہیں۔(۱۰)

فقہاء احناف اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں درج ذیل روایت سے بھی استدلال کرتے ہیں:

عن ابی اسحق السبیعی، عن امرأته انها دخلت علی عائشة رضی الله عنها فدخلت معها ام ولد زید بن ارقم الانصاری وامرأته اخرای فقالت ام ولد زید بن ارقم یا ام المؤمنین انی بعت غلامًا من زید بن ارقم بثمانمائة درهم نسئة وانی ابتعته بستمائة درهم نقدًا: فقالت لها عائشة، بئسما اشتریت وبئسما شریت، ان جهاده مع رسول الله صَلَّی الله علیه وسلم قد بطل الا ان یتوب." (۱۱)

''حضرت ابن اسحٰق السبیعی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے روایت بیان کی ہے کہ جب وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی تو ان کے ساتھ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی ام ولد یعنی لونڈی اور ایک دوسری عورت بھی وہاں پہنچیں۔ تو اس ام ولد نے کہا کہ اس نے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے پاس ایک غلام آٹھ سو درہم ادھار پر فروخت کیا۔ پھر میں نے اس سے وہی غلام چھ سو درہم نقد کے بدلے خرید لیا۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم دونوں نے بہت بری خرید وفروخت کی، اس کی وجہ سے زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کی فضیلت ضائع گئی، بجز اس کے کہ وہ توبہ کرے۔''

اس روایت کو بعض محدثین نے مذکورہ مطلب کے برعکس اس طرح بھی نقل کیا ہے کہ زید بن ارقم نے ایک لونڈی آٹھ سو درہم ادھار پر فروخت کر کے اسے چھ سو نقد پر دوبارہ خرید لیا، جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت زید کے بارے میں اتنی شدید انکار کا اظہار کیا۔(۱۲) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اتنی شدید انکار کی وجہ یہ تھی کہ اس سودا میں بظاہر سودی معاملہ کا ارتکاب کیا گیا تھا، اس لئے فقہاء کے نزدیک اس قسم کا معاملہ ربوا کی ایک ذیلی شکل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔(۱۳)

اسی طرح مذکورہ بالا روایت کو نقل کرنے کے بعد امام شوکانی فرماتے ہیں:

وفیه دلیل علی انه لا یجوز لمن باع شیئا بثمن نسئیة ان یشتریه من المشتری بدون ذلک الثمن نقدًا قبل قبض الثمن. (۱۴)

یعنی اس روایت میں یہ دلیل موجود ہے کہ جو شخص کسی چیز کو ادھار پر فروخت کرے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اس چیز کو قیمت پر قبضہ کرنے سے قبل کم قیمت پر نقد کو خرید لے۔

اسی طرح عین الہدایہ (جدید) میں ہے:

''اگر بائع نے ہزار درہم کے عوض بیچ کر اس کا ثمن وصول ہونے سے پہلے سو دینار کے عوض جن کی قیمت ہزار درہم سے کم ہوا سے خرید لیا تو بھی ہمارے نزدیک استحساناً جائز نہیں ہے، اس استحسانی دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک بائع کو وہ درہم نہیں پہنچے وہ اس کی حفاظت اور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضمانت میں نہیں آئے اس لئے ان کے ذریعہ سے کوئی نفع حاصل کرنا جائز نہیں ہے، کیونکہ حدیث ((ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل الخراج بالضمان. (رواہ الدار قطنی، کتاب البیوع، ۳: ۵۳)) سے معلوم ہوا کہ خراج ضمان کے ذریعہ اور اس کے مطابق ہوتا ہے، یعنی ضمانت اور نقصان کے مقابلہ میں ہی نفع حاصل ہوتا ہے، حالانکہ موجودہ صورت میں بائع نے ثمن ادا کئے بغیر دوبارہ ثمن اول سے کم پر اسی کو خرید لیا ہے اور ثمن اول کا کچھ حصہ مشتری کے ذریعہ باقی رہے گا، اور یہ صورت سود کے مثل ہونے کی بنا پر باطل ہے۔(۱۵)

علماء احناف بیع عینہ کی حرمت کے بارے میں درج ذیل روایت بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں:

((عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یقول اذا تبایعتم بالعینة و اخذتم اذناب البقر و رضیتم بالزرع و ترکتم الجھاد سلّط اللّٰہ علیکم ذلاً لاینزعہ حتی ترجعوا الیٰ دینکم.)) (۱۶)

''ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جب تم بیع عینہ کا معاملہ کروں گے اور بیلوں کی دموں کے پیچھے چلوں گے اور کاشتکاری پر راضی ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنا چھوڑ دوں گے۔ تو اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ذلت ڈالے گا، پھر یہ ذلت دور نہ کرے گا یہاں تک کہ پھر جاؤ اپنے دین کی طرف۔ (یعنی پھر دین پر قائم ہو جاؤ اور جہاد شروع کرو تو اللہ تعالیٰ عزت دے گا۔)'' اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں ابن نجیم لکھتے ہیں: لم یجز شراء البائع ماباع باقل مما باع قبل نقد الثمن. (۱۷) ''بائع کے لئے ایسی چیز کم قیمت پر خریدنا جائز نہیں ہے جسے اس نے زیادہ قیمت پر فروخت کی ہو، اس سے پہلے کہ اسے اس مبیع کی قیمت وصول ہو۔''

خلاصہ یہ کہ ''بیع العینة'' کی ایک صورت تو یہ ہے کہ بائع کوئی چیز ادھار پر زیادہ قیمت پر فروخت کرے اور ثمن پر قبضہ کرنے سے قبل ہی نقد پر کم قیمت پر واپس مشتری سے خرید لے، یہ صورت احادیث اور فقہاء کے دلائل کی روشنی میں جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ معاملہ سود کے مشابہ ہے۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ مشتری اصل میں قرض لینا چاہتا ہے لیکن بائع قرض کی بجائے کوئی چیز ادھار پر زیادہ قیمت پر فروخت کر دیتا ہے اور پھر مشتری اسے لے کر بازار میں نقداً کم قیمت پر فروخت کر لیتا ہے، اور یہ صورت بھی بخل کی مذموم عادت کی وجہ سے جائز نہیں ہے۔ جیسا کہ مفتی رفیق احمد بالاکوٹی بیع عینہ سے متعلق پوچھے گئے ایک سوال کے جواب میں متعدد احادیث اور فقہی عبارات نقل کرنے کے بعد بطور خلاصہ لکھتے ہیں:

ا۔ الف: بیع عینہ کی مختلف صورتیں

یہ وہ معاملہ ہے جو مقرض (قرض دینے والا) قرض رقم دینے کی بجائے عین رجنس دے دیتا ہے تاکہ اس ہیرا پھیری سے وہ نفع کھایا جا سکے جو بطور قرض رقم دے کر حاصل نہیں کر سکتا۔

ب: یہ وہ بیع ہے جسے سودی قرض کے لئے حیلہ بنایا جائے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ج: اس بیع کی تمام صورتوں میں ''بیع وشراء'' کے راستے سے سودی قرضوں کے لئے حیلہ گریاں ہیں۔

۲۔ الف: اس معاملہ میں جب خریدی ہوئی چیز کو بائع اول پر بیچا جائے تو اسے دوطرح کا فائدہ حاصل ہو جاتا ہے، اس کی مختلف شکلیں ہیں، سب سے نمایاں زیادہ قیمت پر بیچ کر کم قیمت پر خرید لینا ہے۔

ب: اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ مارکیٹ ریٹ (بازاری دام) سے زیادہ قیمت پر فروخت کرے تاکہ قرض طلب کرنے والا بازار میں بازاری دام کے مطابق فروخت کر کے مطلوبہ رقم حاصل کرے اور بائع اول کو اضافی رقم کا فائدہ حاصل ہو جائے۔

ج: ہر وہ صورت جس میں بائع کے سارے سامان یا اس کے بعض یا پھر قرضہ کی رقم کے سبب اضافی رقم حاصل ہو جائے تو یہ اس ''ممنوع بیع'' میں شامل ہے۔

۳۔ الف: اگر یہ معاملہ متعاقدین کے درمیان بلاواسطہ ہو تو عین سود ہے، جو کہ حرام ہے۔

ب: اگر تیسرے شخص (یا کئی شخصوں) کا درمیان میں واسطہ ہو تو بھی فرق عام قیمت پر آئے گا وہ سود ہوگا۔

ج: یہ معاملہ مکروہ تحریمی ہے (جو واجب الاحتراز ہونے میں حرام کی مانند ہے)

د: جمہور فقہاء کرام نے اس بیع کے فاسد اور غیر صحیح ہونے کا قول کیا ہے، کیونکہ یہ سود خوری کا ذریعہ ہے، اس کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے حرام کردہ/منع کردہ (سود) کو حلال کرنے کی جسارت لازم آتی ہے۔

ہ: امام محمد بن الحسن الشیبانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ''بیع مذموم'' بڑائی میں پہاڑوں سے بھی بڑی ہے، یعنی قابل مذمت ہے، اس کو سود خوروں نے گھڑ رکھا ہے۔ بنا بریں صورت مسئولہ میں ضرورتمند اور قرض طلب کرنے والے کو رقم کی بجائے عین جنس دے کر جو رقم بد منافع حاصل کی جاتی ہے یہ سود ہے نہ کہ منافع، اور سوال میں ذکر کردہ تمام صورتیں ناجائز ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی صورت جائز نہیں ہے۔ لہٰذا جو علماء کرام مذکورہ معاملہ کو سود ہونے کی بناء پر باطل (فاسد) اور ناجائز حیلہ قرار دے رہے ہیں وہ راست گو ہیں ان کا قول صحیح اور شریعت کے مطابق ہے۔ (۱۸)

ب۔ ربوا لنسیئہ: (وقفہ کے عوض ادائیگی):

کاروبار ''پے منٹ'' کی دوسری اہم شکل کا نام ''ربوالنسیئہ'' ہے یہ سراسر سود کا معاملہ ہے، جس میں کاروبار ''پے منٹ'' سے وابستہ بہت سے لوگ مبتلا ہیں، چونکہ یہ زمانہ جاہلیت کے ایک سودی معاملے کا نام ہے اس لئے اسے ''ربوالجاہلی'' بھی کہا جاتا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں اس کی مندرجہ ذیل تین صورتیں پائی جاتی تھیں:

۱۔ حاجت مند مجبور کو نقدی دیتے اور ایک معینہ مدت پر ایک مقررہ شرح کے حساب سے اس سے سود وصول کرتے، جیسا کہ ابوبکر جصاص اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں: ''والربا الذی کانت العرب تعرفه وتفعله انما کان قرض الدراهم والدنانیر الی اجل بزیادة علی مقدار ما استقرض علی ما یتراضون به.'' (۱۹) ''وہ ربوا جس کو اہل عرب جانتے پہچانتے اور کیا کرتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھے اس کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ وہ ایک مقررہ مدت تک دراہم ودنانیر کے قرض کا معاملہ تھا، جس میں یہ طے پاتا تھا کہ قرض کے اصل مال پر کچھ زائد بھی ضرور لینا دینا ہوگا جس پر وہ دونوں راضی ہوتے۔"

۲۔ جب معینہ مدت کے بعد بھی حاجت مند غریب قرضہ مع سود ادا کرنے کی اہلیت نہ رکھتا تو ظالم وڈیرا اپنی رقم اور سود کو ملا کر اصل قرار دیتا اور پھر اس پر سود لگا دیتا جسے سود در سود کا نام دیا جاتا ہے، جیسا کہ تفسیر طبری میں ہے: **عن مجاهد انه قال في الربوا الذي نهى الله عنه كان في الجاهلية يكون للرجل على الرجل دين فيقول لك كذا و كذا وتؤخر عني فيؤخر عنه."** (۲۰)

"حضرت مجاہد نے فرمایا: وہ ربوا جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا عہد جاہلیت میں اس کی شکل یہ ہوتی تھی کہ آدمی کا دوسرے آدمی پر واجب الادا دین وقرض ہوتا جب ادائیگی کا مقررہ وقت آتا تو مقروض آدمی اپنے قرض خواہ سے کہتا مہلت بڑھا دو اور مطالبہ مؤخر کردو، اس کے بدلے آپ کے لئے اتنا مزید ہوگا چنانچہ وہ مطالبہ مؤخر کر کے مہلت بڑھا دیتا۔"

۳۔ بعض محتاج اپنی اشیاء ضرورت استحصالی سرمایہ داروں کے پاس رہن رکھ دیتے تاکہ ان دولت کے پجاریوں کو تسلی رہے کہ انہوں نے کم دے کر غریب کی زیادہ مالیت کی اشیاء پر قبضہ جما رکھا ہے، اس ظلم کی انتہا اس پر ہوتی کہ اگر وہ غریب مقررہ مدت پر بھی قرض ادا نہ کر سکتا تو وہ سرمایہ دار اس غریب کی ان اشیاء کی اونے پونے داموں قیمت کر کے انہیں ہضم کر لیتے اور غریب پر بقیہ رقم سود پر چلتی رہتی۔ (۲۱)

ربو انسیئہ کی ایک تعریف فقہاء کرام نے یہ بھی کی ہے: یہ زیادتی ادھار کے معاملہ میں ہوتی ہے۔ اس سے مراد وہ یک طرفہ زیادتی ہے جو ادائیگی قیمت میں تاخیر کے عوض میں ہوتی ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی نے ایک پیمانہ گندم موسم سرما میں اس شرط پر لی کہ موسم گرما میں ڈیڑھ پیمانہ گندم اس کے عوض (قیمت میں) دی جائے گی ایسی صورت میں نصف پیمانہ گندم کا اضافہ کسی فروخت شدہ شے کے معاوضہ میں نہیں ہے بلکہ صرف اس مدت کے عوض میں ہے، اسی لئے اس کو ربو انسیئہ یعنی وقفے کے عوض ادائیگی یا سودی قرضہ کہا جاتا ہے۔ مثال مذکورہ کو وھبۃ الزحیلی نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: **"مثاله: ان يشترى انسان صاعا من القمح في زمن الشتاء بصاع ونصف يدفعهما في زمن الصيف، فان "نصف الصاع" الذى زاد في الثمن لم يقابله شئ من البيع، وانما هو في مقابل الأجل فقط ولذ اسمى ربالنسيئة اى التاخير في احد البدلين."** (۲۲)

اسلام نے دور جاہلیت کی سودی کاروبار کی ان تمام اقسام کو حرام قرار دیا اور حکم دیا کہ ﴿**لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً**﴾ (۲۳) "مسلمانو! تم سود در سود کو ذریعہ معاش ہرگز ہرگز نہ بناؤ۔"

غرض یہ کہ قرآن حکیم نے ربو النسیئہ کی ان تمام شکلوں کو حرام قرار دیا، لیکن ہم مسلمان اللہ تعالیٰ کے مذکورہ حکم کو نظر انداز کرتے ہوئے دور جاہلیت کے سودی نظام کے مطابق اپنے معاشی معاملات کو چلا رہے ہیں۔ "پے منٹ" کے کاروبار سے وابستہ اکثر لوگ یہی کرتے ہیں کہ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں سو روپے ہوتی ہے، دوسرے کی مجبوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سال کی ادھار پر ڈیڑھ سو روپے میں اُسے فروخت کر دیتا ہے۔ پھر جب ایک سال کے بعد بھی مقروض ڈیڑھ سو روپے ادا نہیں کر پاتا تو قرض خواہ اس سے کہتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے کہ میں مدت قرض میں مزید اتنا اضافہ کر دیتا ہوں تم اپنے ذمہ رقم کی مقدار اتنی بڑھا دو، چنانچہ رقم قرض کی مقدار مزید ایک سال کے لئے دو سو روپے کر دی جاتی ہے، پھر اگر دوسری مدت میں بھی وہ ادا نہیں کر پاتا تو مزید مہلت کے عوض قرض کی رقم میں مزید اضافہ کر دیا جاتا ہے، بڑھتے بڑھتے یہ رقم اصل کے کئی گناہ ہو جاتی ہے یعنی "اضعافًا مُضاعفةً" بن جاتی ہے۔ اب مقروض قرض خواہ کی رقم ادا کرنے کے لئے "پے منٹ" کی موجودہ کاروبار کے طریق کار کے مطابق کسی اور سے "پے منٹ" کا معاملہ کر لیتا ہے، یعنی نقد رقم پر ملنے والی کم قیمت کی چیز ادھار پر زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے، اور اس طرح آخر کار "سود در سود" کا شکار ہو کر اپنی ساری جائیداد وغیرہ سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

ج۔ بیع مؤجّل:

مروّجہ "پے منٹ" کی کاروبار کی تیسری اہم شکل "بیع مؤجل" (ادھار پر فروخت) ہے۔ اس بیع میں اُدھار پر کوئی چیز اس قیمت سے زائد قیمت پر فروخت اور خریدی جاتی ہے، جو قیمت اس چیز کی بازار میں بصورت نقد رائج ہو۔ مثلاً ایک چیز جس کی قیمت بازار میں عام طور پر بصورت نقد ایک سو روپے ہے، اس کو مثلاً ایک سال کے ادھار پر ایک سو پچاس روپے میں فروخت اور خریدا جائے۔ خریدار کی طرف سے یہ واجب الادا رقم میعاد مکمل ہونے پر یا تو یکمشت ادا کی جاتی ہے، یا طے شدہ قسطوں کے مطابق ادا کی جاتی ہے۔ قسطوں پر ادائیگی کی وجہ سے بیع کو "بیع بالتقسیط" **(INSTALMENT BUYING)** بھی کہا جاتا ہے۔ بہر حال ادائیگی چاہے یکمشت ہو یا قسط وار، بیع مؤجل کے مروجہ معاملے میں ادھار کی وجہ سے بیچی جانے والی چیز کی قیمت نقد بیع کے مقابلے میں زیادہ مقرر کی جاتی ہے۔

یہاں پر سوال اب یہ پیدا ہوتا ہے کہ ادھار فروخت کرنے کی صورت میں نقد فروخت کے مقابلے میں قیمت زیادہ مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر قدیم اور جدید دونوں قسم کے فقہاء نے بحث کی ہے، چنانچہ بعض علماء اس زیادتی کو ناجائز کہتے ہیں، اس لئے کہ ثمن کی یہ زیادتی "مدت" کے عوض میں ہے اور جو ثمن "مدت" کے عوض میں دیا جائے وہ سود ہے، یا کم از کم سود کے مشابہ ضرور ہے۔ یہ زین العابدین علی بن الحسین اور الناصر، المصور باللہ اور ھادویہ کا مسلک ہے اور علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان فقہاء کا یہی مسلک نقل فرمایا ہے۔ (۲۴)

ائمۃ کرام وفقہاء اور علمائے کرام کی رائے:

علامہ شوکانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس بیع کے عدم جواز کے بارے میں بحوالہ مسند احمد بن حنبل یہ روایت نقل کی ہے:

"عن سماک عن عبد الرحمٰن بن عبد اللّٰہ بن مسعود عن ابیہ، "نھی صلّی اللّٰہ علیہ وسلم عن صفقتین فی صفقة قال سماک ھو الرجل یبیع البیع فیقول ھو نسیئًا بکذا وَھُو بنقد بکذا و کذا." (۲۵)

"حضرت سماک عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن مسعود سے اور عبدالرحمٰن اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ایک بیع میں دو بیع کرنے سے، سماک اس کی تفسیر یہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص ایک چیز فروخت کرتے ہوئے یہ کہے کہ میں تمہیں یہ چیز ادھار اتنے (مثلاً بیس روپے) پر اور نقد اتنے اور اتنے (مثلاً دس روپے) پر فروخت کرتا ہوں۔ (گویا اس طرح کا معاملہ کرنے سے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا)۔اس حدیث نبوی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جس بیع کے اندر دو ثمن ذکر کئے گئے ہوں ایک کم اور دوسرا زیادہ، گویا نقد کی صورت میں کم اور ادھار کی صورت میں زیادہ ایسی بیع کی ممانعت کی گئی ہے۔

مشہور عالم دین مولانا محمد طاسین اس بیع کے جائز نہ ہونے کی وجہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

''معاملہ زیر بحث کے ممنوع ہونے کی ایک بڑی اور اہم وجہ اس کے اندر ادھار کی صورت میں بمقابلہ نقد کے ثمن کا زیادہ ہونا ہے جو اس معاملے کو ربا کے مشابہ بنا دیتا ہے اور ربا چونکہ حرام وممنوع ہے لہٰذا اس سے مشابہت کی وجہ سے یہ معاملہ ممنوع اور ناجائز قرار پاتا ہے۔''(۲۶)

مولانا محمد طاسین مزید لکھتے ہیں:

''جن اشیاء کی باقاعدہ نرخ سے بازار میں کوئی ایک قیمت مقرر نہیں اور ان کی خرید وفروخت، ناپ تول گنتی وغیرہ کے معروف پیمانوں سے نہیں ہوتی اور نہ ہی ہو سکتی ہے، ایسی اشیاء کو ان کا مالک نقد اور ادھار جس ثمن میں چاہے فروخت کر سکتا ہے اور ادھار کی صورت میں بمقابلہ نقد کے زیادہ ثمن لگا سکتا ہے اور چونکہ ایسی اشیاء کی بازار میں اصل قیمت مقرر نہیں ہوتی لہٰذا نہ نقد ثمن کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اصل قیمت کے برابر یا اس سے کم اور زیادہ ہے، اسی طرح ادھار ثمن کے متعلق بھی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اصل نقد قیمت سے زیادہ ہے کیونکہ یہاں اصل قیمت سرے سے موجود ہی نہیں ہوتی، لیکن ایسی اشیاء جن کی طلب ورسد وغیرہ کے عوامل کے تحت باقاعدہ بھاؤ اور نرخ سے قیمت مقرر ہوتی اور ناپ تول گنتی وغیرہ کے پیمانوں کے ذریعے ان کی خرید وفروخت ہوتی ہے، میرے علم وفہم کے مطابق ایسی اشیاء کو ادھار کی صورت میں بمقابلہ نقد ثمن کے زیادہ ثمن میں بیچنا خریدنا جائز نہیں۔''(۲۷)

ایک اور مقام پر مولانا محمد طاسین نے اس بیع کو دور جاہلیت کی ربوا ''ربوالنسیئہ'' سے مشابہہ قرار دیا ہے، وہ لکھتے ہیں:

''یہ معاملہ اپنی حقیقت وماہیت، اپنے منشا ومقصد اور اپنے لازمی اثرات ونتائج کے لحاظ سے ''ربوالنسیئہ'' جیسا معاملہ ہے۔ وہ اس طرح کہ اس میں ایک شے جس کی قیمت نقد بازار میں عام طور پر مثلاً ایک سو روپے ہوتی ہے جب ایک سال کے ادھار پر وہ ایک سو پچاس روپے میں بیچی جاتی ہے، تو اس میں پچاس روپے کا جو اضافہ ہوتا ہے۔ وہ دراصل ایک سال کی مدت ومہلت کا معاوضہ ہوتا ہے، نیز جس طرح ''ربوالنسیئہ'' میں مقروض سے قرض کے اصل مال پر زائد لیا جانے والا مال بلاعوض ہوتا ہے اور مقروض کی حق تلفی قرار پاتا ہے، اسی طرح زیر بحث معاملے میں بیچی جانے والی شے کی اصل قیمت پر ادھار کی وجہ سے جو اضافہ ہوتا ہے بیچنے والے کی طرف سے خریدار کے لئے اس کا کوئی معاوضہ موجود نہیں ہوتا، لہٰذا بیچنے والا جو زائد لیتا ہے خریدار کا حق لیتا اور اس کی حق تلفی کرتا ہے، نیز جس طرح ربوالنسیئہ میں قرض دہندہ کا مقصد بغیر کسی دماغی جسمانی محنت ومشقت کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ضمانت کے اپنے سرمائے اور تمول کو بڑھانا ہوتا ہے اسی طرح زیر بحث بیع المؤجل کے معاملہ میں فروخت کنندہ کا مقصد بغیر کسی پیدا آور محنت اور عملی جدوجہد کے اور بغیر نقصان برداشت کرنے کی کسی ذمہ داری کے نفع کمانا اور اپنے سرمائے کو بڑھانا ہوتا ہے، پھر جس طرح ربوالنسیئہ کے رواج سے معاشرے میں معاشی عدم توازن اور غیر فطری نشیب وفراز رونما ہوتا اور ملکی دولت چند اغنیا اور سرمایہ داروں کے درمیان

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمٹ کر رہ جاتی ہے اسی طرح زیر بحث معاملہ کے بھی عام رواج سے معاشرے میں ویسی ہی معاشی حالت پیدا ہوتی ہے، غرضیکہ وہ تمام اخلاقی، معاشرتی اور معاشی برائیاں جو ربوالنسیئہ کے عملی رواج سے ظہور میں آتی اور معاشرے کے توازن کو بگاڑتی ہیں اور جن کی وجہ سے اسلام نے ربوالنسیئہ کو قطعی طور پر حرام اور ممنوع ٹھہرایا ہے وہ سب زیر بحث بیع مؤجل کے معاملہ سے بھی لازماً ظہور میں آتی ہیں، لہٰذا اصول قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس معاملہ کا بھی وہی شرعی حکم ہونا چاہئے جو معاملہ ربوالنسیئہ کا ہے یعنی حرام، کیونکہ بنیادی طور پر ان کے درمیان کچھ فرق نہیں صرف لفظی فرق ہے جس کا عقود و معاملات میں شرعاً کوئی لحاظ اور اعتبار نہیں ہوتا۔(۲۸)

اسی طرح قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے بھی اس ''بیع مؤجل'' کا عدم جواز ثابت ہوتا ہے، ارشاد خداوندی ہے:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ﴾ (۲۹)

''اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! تم آپس میں ایک دوسرے کے اموال ناحق طریقہ سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ وہ ایسی تجارت کا طریقہ ہو جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی پائی جاتی ہو۔''

آیت کے پہلے حصے میں باطل طریقہ سے ایک دوسرے کا مال کھا لینے کی ممانعت ہے۔ لفظ ''باطل'' جس کا ترجمہ ''ناحق'' سے کیا گیا ہے عبداللہ بن مسعود اور جمہور صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک تمام ان صورتوں پر حاوی ہے جو شرعاً ممنوع اور ناجائز ہیں، جس میں چوری، ڈاکہ، غصب، خیانت، رشوت اور سود و قمار تمام معاملات فاسدہ داخل ہیں۔(۳۰)

الجصاص ''باطل'' کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

واكل مال الغير بالباطل قد قيل فيه وجهان احدهما ما قال السدى وهو ان يأكل بالرباء والقمار والبخس والظلم وقال ابن عباس والحسن ان ياكله بغير عوض." (۳۱)

''دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے کی دو صورتیں بیان ہوئی ہیں، ایک یہ جو السدی کا قول ہے کہ سود، جوئے، حق تلفی اور ظلم کے ذریعے کھایا جائے اور (دوسرا یہ جو کہ) ابن عباس اور حسن بصری کا قول ہے کہ بغیر عوض کے کھایا جائے۔''

لہٰذا آیت مذکورہ کے پہلے حصہ کا مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کا مال بغیر عوض کے نہ لو، یعنی معاوضے کے معاملات میں ایک دوسرے کا مال بغیر ایسے عوض کے نہ لو جو مالیت اور قدر و قیمت میں اس کے برابر ہو کیونکہ کسی مال کا صحیح عوض اور بدل صرف وہ ہوتا ہے جو قدر و قیمت میں اس مال کے برابر ہو۔ بنا بریں آیت کے پہلے حصّہ کی رو سے ہر وہ معاشی معاملہ باطل اور ممنوع قرار پاتا ہے جس میں ایک فریق کے لئے اس کے مال کا سرے سے عوض موجود ہی نہ ہو یا عوض تو موجود ہو لیکن قدر و قیمت کے لحاظ سے اس مال کے مساوی نہ ہو۔

بیع مؤجل کا معاملہ بھی باطل کا مصداق نظر آتا ہے کیونکہ اس میں بیچنے والا ادھار کی وجہ سے اپنی مثلاً سو روپے کی چیز جو ڈیڑھ سو میں بیچتا ہے تو اس میں خریدار سے جو پچاس روپے زائد لیتا ہے، ان کا کوئی عوض اس کی طرف سے خریدار کے لئے موجود نہیں ہوتا، لہٰذا وہ بغیر عوض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے دوسرے کا مال لیتا ہے جس کو آیت کے اندر باطل سے تعبیر کر کے ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ (۳۲)

مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ تعالیٰ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''آیت کے اس جملہ میں تجارت کے ساتھ "عن تراض منکم" فرما کر یہ بتلا دیا کہ جہاں تجارت ہی نہ ہو بلکہ تجارت کے نام پر جوا، سٹہ یا ربوا اور سود کا معاملہ ہو یا مال ابھی موجود نہیں، محض ذہنی قرارداد پر اس کا سودا کیا گیا ہو وہ بیع باطل اور حرام ہے۔ اسی طرح اگر تجارت یعنی مبادلہ اموال تو ہو لیکن اس میں فریقین کی رضامندی نہ ہو وہ بھی بیع فاسد اور ناجائز ہے، اور یہ دونوں صورتیں اکل اموال بالباطل میں داخل ہیں، البتہ ایک تیسری قسم اور ہے جس میں طرفین سے تبادلہ مال بھی ہے اور بظاہر فریقین کی رضامندی بھی مگر وہ رضامندی درحقیقت مجبوری کی رضامندی ہوتی ہے، حقیقی رضامندی نہیں ہوتی، اس لئے شرعاً اس تیسری قسم کو بھی دوسری ہی قسم میں داخل قرار دیا گیا ہے، مثلاً عام ضرورت کی چیزوں کو سب طرف سے سمیٹ کر کوئی ایک شخص یا ایک کمپنی ذخیرہ کرے اور پھر اس کی قیمت میں خاطر خواہ اضافہ کر کے فروخت کرنے لگے چونکہ بازار میں دوسری جگہ ملتی نہیں، گاہک مجبور ہے کہ مہنگی سستی جیسی بھی یہ فروخت کرے وہ اس کو خرید لے، اس صورت میں اگرچہ گاہک خود چل کر آتا ہے اور بظاہر رضامندی کے ساتھ خریدتا ہے، لیکن اس کی یہ رضامندی درحقیقت ایک مجبوری کے تحت ہے، اس لئے کالعدم ہے، یا کوئی آدمی جب یہ دیکھے کہ میرا جائز کام بغیر رشوت دیئے نہیں ہوگا وہ رضامندی کے ساتھ رشوت دینے کے لئے آمادہ ہو تو چونکہ یہ رضامندی بھی درحقیقت رضامندی نہیں اس لئے شرعاً کالعدم ہے۔'' (۳۳)

معاملہ زیر بحث یعنی ''بیع مؤجل'' میں بھی چونکہ خریدار قرض حسنہ نہ ملنے کی وجہ سے ادھار پر کوئی چیز زیادہ قیمت پر خرید لیتا ہے تو اس کی یہ خریداری مجبوری اور اضطرار کے تحت ہوتی ہے اور اس میں حقیقی رضامندی موجود نہیں ہوتی، لہٰذا بیع و شراء کا وہ معاملہ جس میں ایک فریق کی حقیقی رضامندی موجود نہ ہو، ناجائز و ممنوع قرار پاتا ہے، اور یہ ممانعت ایک حدیث سے بھی ثابت ہے، جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَيْعِ الْمُضطَرِّ. (۳۴)

''فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ''مضطر'' کی خرید و فروخت سے۔''

مذکورہ حدیث کو نقل کرتے ہوئے مولانا محمد منظور نعمانی لکھتے ہیں:

''بعض اوقات آدمی فقر و فاقہ یا کسی حادثہ کی وجہ سے یا کسی ناگہانی پریشانی میں گھر جانے کی وجہ سے اپنی کوئی چیز بیچنے کے لئے یا کھانا وغیرہ کوئی چیز خریدنے کے لئے سخت مجبور اور ''مضطر'' ہوتا ہے، ایسے وقت بے درد تاجر اس شخص کی مجبوری اور اضطراری حالت سے ناجائز فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مذکورہ حدیث میں اسی کو ''بیع مضطر'' کہا گیا ہے اور اس کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔'' (۳۵)

شمس پیرزادہ اس بارے میں لکھتے ہیں:

''ادھار کی بنیاد پر قیمت بڑھانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہے کہ جو رقم مشتری کے ذمہ دین ہے اس پر فائدہ حاصل کیا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جائے، اور یہ سود نہیں تو اور کیا ہے؟ اسلام میں شرعی احکام کی تعمیل صحیح اسپرٹ مین اور حسن وخوبی کے ساتھ مطلوب ہے اور اس کے لئے بصیرت ضروری ہے، فقہ کو ایک فن بنا کر خالص فنی بحثیں کرنا اور جس طرح ایک وکیل قانونی موشگافیاں کر کے قانونی جواز کی صورتیں پیدا کرتا ہے اسی طرح موشگافیاں یا حیلے کرے شریعت کے ایک حرام کو حلال یا ناجائز قرار دینا صحیح نہ ہوگا، بلکہ سخت گناہ کا موجب ہوگا اس لئے ہماری نظر الفاظ واشکال سے زیادہ مقاصد ومعانی پر ہونی چاہئے۔

علماء وفقہاء نے کئی ایسی صورتیں ذکر کی ہیں جن پر بظاہر سود کا اطلاق نہیں ہوتا لیکن وہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے سودی معاملات ہی ہوتے ہیں یا سود ہی پر منتج ہوتے ہیں، مثلاً ''بیع العینۃ'' لہٰذا کوئی وجہ نہیں کہ زائد قیمت پر ادھار فروخت کو اس طرح کا معاملہ قرار دیا جائے..... نقد کے مقابلے میں ادھار کی قیمت زیادہ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ مشتری کے ذمہ جو دین ہے اور جو ایک مدت کے بعد وصول ہونے والا ہے، اس پر فائدہ حاصل کیا جائے، یہ صورت حقیقتاً ربا ہی کی ہوئی، اس کے باوجود اگر اس کو ربا کہنے میں تامل ہو تو اسے ربیہ کہنا ہی پڑے گا۔''(۳۶)

مولانا عبدالعظیم اصلاحی اس بارے میں لکھتے ہیں:

''نقد یا ادھار کی بنیاد پر قیمتوں میں کمی یا بیشی اکثر فقہاء کے نزدیک ایک مُسلم حقیقت ہے لیکن مدت ادائیگی میں کمی اور زیادتی کے مطابق منافع میں کمی اور زیادتی ربا کو مستلزم ہوگی اس لئے اس کے جواز میں تامل ہے۔''(۳۷)

مولانا محمد صدرالحسن ندوی اپنے مقالے ''مرابحہ سے متعلق مسائل'' میں؛ لکھتے ہیں:

''حدیث میں فرمایا گیا کہ ایک بیع میں دو شرطیں جائز نہیں ہیں، صاحب نہایہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یوں کہے کہ میں یہ کپڑا نقد کی شکل میں ایک دینار میں اور ادھار کی صورت میں دو دینار میں فروخت کرتا ہوں اور وہ ایک بیع میں دو بیع کی طرح ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ایک بیع میں دو بیع کی تفسیر وتشریح دو طرح سے کی گئی ہے، پہلی صورت یہ ہے کہ بائع یوں کہے کہ میں تم سے یہ کپڑا دس روپے میں نقد کی شکل میں اور بیس روپے میں ادھار کی شکل میں ایک مہینہ کی مدت کے لئے فروخت کرتا ہوں، یہ صورت اکثر اہل علم کے نزدیک فاسد ہے کہ ایسی صورت میں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دونوں میں سے کس چیز کو اس نے ثمن بنایا ہے۔''(۳۸)

بعض علماء وفقہاء کے نزدیک ادھار بیع میں نقد بیع کے مقابلے میں قیمت زیادہ کرنا جائز ہے لیکن یہ جواز چند شرطوں کے ساتھ مشروط ہے، جیسا کہ فتاوٰی رحیمیہ میں ہے: ''کسی چیز کو نقد بیچنے پر کم قیمت لینا اور ادھار بیچنے پر زیادہ قیمت لینا اس وقت جائز ہے، جبکہ معاملہ کرنے کے وقت ایک ہی بات ہو اور قیمت بالکل متعین کرلی جائے، ہدایہ آخیرین میں ہے: **الا تری انہ یزاد فی الثمن لاجل الاجل.** (۳۹) اس طرح بات کرنا کہ نقد لوگے تو ایک سو روپے اور ادھار لوگے تو ایک سو دس روپے میں، یا اس طرح معاملہ کرنا کہ اگر ایک مہینہ میں قیمت ادا کرو تو ایک سو پانچ روپے، دو مہینے میں ادا کرو تو ایک سو دس روپے میں تو یہ صورت جائز نہیں ہے۔

فتاوٰی عالمگیری میں ہے: **رجل باع علیٰ انہ بالنقد بکذا وبالنسیئۃ بکذا والی شھر بکذا والی شھرین بکذا لم یجز،**

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کذا فی الخلاصۃ. (۱) یعنی کوئی شخص اس طرح بیچے کہ نقد اتنے روپے میں اور ادھار اتنے روپے میں، ایک مہینہ کی ادھار پر لوگے تو اتنے روپے میں، دو مہینہ کی ادھار پر لوگے تو اتنے روپے، اس طرح بیچنا جائز نہیں۔

آپ اپنے طور پر نقد اور ادھار کی قیمت متعین کر لیں اور معاملہ کے وقت خریدار سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کس طرح (نقد یا ادھار) خریدنا چاہتا ہے، خریدار اپنا جو ارادہ ظاہر کرے اسی کے اعتبار سے ثمن بتا کر معاملہ مکمل کر لیا جائے، اگر ادھار معاملہ ہو تو ثمن (قیمت) کے تعین کے ساتھ ثمن کی ادائیگی کی مدت بھی متعین کر لی جائے۔" (۴۱)

مولنا عبد الجلیل قاسمی صاحب لکھتے ہیں: "بیع نقد اور ادھار دونوں جائز ہیں، شریعت میں نفع کی کوئی حد متعین نہیں ہے کہ اس سے زائد لینا جائز نہ ہو، البتہ ادھار بیع کی صورت میں اجل کا معلوم ہونا ضروری ہے اگر اجل مجہول ہو تو بیع فاسد ہو جائے گی چاہے نفع کم ہو یا زیادہ۔" (۴۲)

مولنا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ امداد الفتاویٰ میں لکھتے ہیں: "سوال: ایک شخص اپنا مال نقد ایک روپے کو فروخت کرتا ہے اور ادھار سترہ آنے کو بیچتا ہے یہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ وقت بیع کے ثمن تعین نہیں کی، بلکہ مشتری سے تردد کے ساتھ کہا کہ اس کی قیمت اگر اس وقت دو گے تو ایک روپیہ لوں گا، ورنہ سترہ آنے لوں گا، یہ تو بوجہ جہالت ثمن کے جائز نہیں، دوسری شکل یہ ہے کہ اول مشتری سے طے کر لیا ہو کہ نقد لیتے ہو یا ادھار اگر اس نے نقد لینے کو کہا تب تو ایک روپیہ قیمت ٹھہرائی، اگر ادھار لینے کو کہا تو سترہ آنے ٹھہرائے، یہ جائز ہے۔" (۴۳)

خلاصہ یہ کہ کاروبار پے منٹ کے مذکورہ بالا مروّجہ تین شکلوں کا جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ:

۱۔ بیع العینۃ

(یعنی کسی سخت مجبور اور ضرورتمند کو قرض دینے کے بجائے ایک چیز جس کی اُسے ضرورت بھی نہیں ہوتی ادھار پر زیادہ قیمت پر فروخت کرنا) سود سے مشابہت کی بنا پر بلکہ ربوا (سود) کی ایک ذیلی شکل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں ہے، اور اس بیع میں خود غرضی اور بخل مذموم کی پیروی کر کے قرض دینے سے مُنہ موڑنا لازم آتا ہے، حالانکہ قرض دینا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور اس کا اجر و ثواب صدقہ سے بھی بڑھ کر قرار دیا گیا ہے۔

۲۔ ربوا النسیئۃ

(یعنی وقفہ یا مدت کے عوض ادائیگی) جو کاروبار پے منٹ کی دوسری شکل ہے، یہ سراسر سود کا معاملہ ہے جس کی حرمت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اور جس کے بارے میں وعیدات شدیدہ کا ذکر آیا ہے، لہٰذا اس سے مکمل اجتناب کرنا چاہئے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۳۔بیع مؤجل:

(یعنی ادھار پر فروخت، چاہے اس کی ادائیگی قسطوں پر ہو یا مقررہ مدت کے بعد یکمشت) جو کاروبار پے منٹ کی تیسری شکل ہے یہ بھی اکثر فقہاء کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کے عدم جواز کے بارے میں جو دلائل پیش ہوئے ہیں ان میں کافی وزن پایا جاتا ہے اور جو فقہاء اس کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں ان کے نزدیک بھی یہ بیع چند شرائط کے ساتھ جائز ہے جن کی آج کل پابندی نہیں کی جاتی۔ دوسری طرف اسلامی تعلیمات سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کسی چیز کے انفرادی جواز وعدم جواز سے قطع نظر اس کے معاشرتی فوائد ونقصانات پر بھی غور کرنا چاہئے جیسا کہ مفتی نظام الدین لکھتے ہیں:

''بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ اصل کے لحاظ سے مباح ہوتے ہیں لیکن اگر ان کے کرنے میں دوسرے شخص کی حق تلفی اور ضرر کا امکان ہو تو ان کی اباحت ختم ہو جاتی ہے اور ممنوع شرعی بن جاتے ہیں، (مثلاً) ایک مسلمان عورت کو نکاح کا پیغام دینے کی ہر مسلمان مرد ہم کفو کو اجازت ہے لیکن پیغام پر پیغام دینا ممنوع ہے، یعنی اگر ایک مسلمان مرد نے ایک ہم کفو مسلمان عورت کو اپنے نکاح کا پیغام دے دیا ہو اور اولیاء کا نکاح کا کچھ رجحان بھی پایا جائے تو جب تک وہ عورت انکار نہ کر دے دوسرے کسی مسلمان کے لئے یہ مباح فعل جائز نہ ہوگا۔''(۴۴)

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ ''بیع مؤجل'' جسے آج کل ایک عام کاروبار کی شکل دی گئی ہے، بجائے اس کے کہ کم آمدنی اور متوسط طبقہ کے لوگوں کو ان کی ضرورت کی ایک چیز ادھار پر نسبتاً معمولی قیمت بڑھا کر ایک معلوم مدت اور وقفہ پر بالاقساط یا یکمشت ادائیگی پر فروخت کی جائے، اس کاروبار کی بنیاد ہی دوسروں کی مجبوریوں پر قائم کیا گیا ہے، حالانکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسی خرید وفروخت سے منع کیا ہے جس میں دوسرے کی مجبوری اور اضطراری حالت سے فائدہ اٹھایا جائے یا جس میں فریقین کی حقیقی رضامندی شامل نہ ہو، اور ایک ایسا کاروبار جس کے مفاسد اور نقصانات معاشرے میں بھی ظاہر ہوئے ہیں اور جس نے کئی خاندانوں کو معاشی طور پر تباہ کر کے رکھ دیا ہے، یقیناً شریعت کی نظر میں ایک مستحسن کاروبار نہیں ہے، کیونکہ اس کاروبار میں معاشرے کے عام افراد کے ساتھ باہمی تعلقات میں خیر خواہی کے بجائے خود غرضی اور مفاد پرستی کو اختیار کیا جاتا ہے حالانکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خود غرض بننے سے منع کیا ہے، لہٰذا اس کاروبار سے بھی پرہیز کرنا چاہئے۔

حوالہ جات

(۱) سعیدی ابو حبیب، القاموس الفقهی، کراچی، ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه، ص: ۲۷۰

(۲) وهبة الزحیلی، الفقه الاسلامی وادلته، دمشق، دارالفکر، ۱۹۸۹ء، ۴: ۴۶۷

(۳) وهبة الزحیلی، الفقه الاسلامی وادلته، ۴: ۴۶۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۴)الفتاویٰ العالمگیریة ، پشاور، نورانی کتب خانه، کتاب البیوع، الباب العشرون فی البیاعات المکروهة، ۳: ۲۰۸

(۵) الهدایة للمرغینانی ، دهلی ،مطبع مجتبائی ، کتاب الکفالة، ۳: ۱۰۷

(۶) نیل الاوطار للشوکانی ، بیروت دارالحیل، ۱۹۷۳ ء ، کتاب البیوع، باب ماجاء فی بیع العینة، ۵: ۳۱۸ـ ۳۲۰

(۷) الهدایة، کتاب الکفالة، ۳: ۱۰۷

(۸) ایضا، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، ۳: ۴۱

(۹) ایضا، ۳: ۴۱

(۱۰) دیکھئے نیل الاوطار للشوکانی، ۵: ۳۱۸۔۳۲۰

(۱۱) سنن دار قطنی،لاهور ، دارنشر الکتب الاسلامیه، کتاب البیوع، ۳: ۵۲

(۱۲)تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ،نصب الرایة فی تخریج احادیث الهدایة للزیلعی مع الهدایة،لاهور ، نوریه رضویه پبلشنگ کمپنی، ۱۴۲۰ھ، ۴: ۴۰،۴۱

(۱۳)فتح القدیر لابن همام، کوئٹہ ،مکتبه رشیدیه، کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، ۶: ۷۰

(۱۴) نیل الاوطار للشوکانی، کتاب البیوع، باب من باع سلعة بنسیة لایشتریها باقل مما باعها، ۵: ۳۱۷

(۱۵) محمد انوار الحق قاسمی، عین الهدایه (جدید) از افادات سید امیر علی، کراچی ، دارالاشاعت ، ۲۰۰۳ء، ۶: ۱۶۶

(۱۶) سنن لابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی النهی عن العینة

(۱۷) بحر الرائق لابن نجیم، مصر ، دارالعربیة الکبریٰ ،کتاب البیوع، باب البیع الفاسد، ۶: ۸۲

(۱۸) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ماهنامه "بینات" کراچی، جلد: ۶۴، ش: ۵، اگست ۲۰۰۱ء

(۱۹) ابو بکر احمد بن علی الجصاص، احکام القرآن، لاهور ،سهیل اکیڈمی، ۱۹۹۱ ء ، باب الربوا، ۱: ۴۶۵

(۲۰) جریر طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، بیروت، دارالمعرفه ، ۱۳۹۲ ھ، ۳: ۶۷

(۲۱) ڈاکٹر نور محمد غفاری، اسلام کا قانون تجارت،لاهور ، مرکز دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری ،۱۹۸۹ء ، ص: ۱۷۰

(۲۲) الفقه الاسلامی وادلته، ۴: ۶۸۱

(۲۳) آل عمران، ۳: ۱۳۰

(۲۴)نیل الاوطار للشوکانی، کتاب البیوع، باب بیعتین فی بیعة، ۵: ۲۴۸۔ ۲۵۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲۵) ایضًا، حوالہ سابق

(۲۶) ماھنامہ البلاغ، کراچی، دارالعلوم، ج: ۳۰، ش: ۴، ستمبر، ۱۹۹۵ء

(۲۷) البلاغ، ج: ۳۰، ش: ٦ نومبر، ۹۵ء

(۲۸) ماھنامہ میثاق، لاھور، ج: ۴۱، ش ۱، جنوری ۱۹۹۲ء

(۲۹) سورۃ النساء، ۴: ۲۹

(۳۰) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، کراچی، ادارۃ المعارف، ۱۹۷۹ء، ۲: ۳۷۸

(۳۱) احکام القرآن، باب التجارات وخیار البیع، ۲: ۱۷۲

(۳۲) محمد طاسین، ماھنامہ میثاق، ج: ۴۱، ش: ۱، جنوری ۱۹۹۲ء

(۳۳) مفتی محمد شفیع، معارف القرآن، ۲: ۳۷۸، ۳۷۹

(۳۴) سنن ابی داؤد، کتاب البیوع، باب فی بیع المضطر

(۳۵) معارف الحدیث، کراچی، دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء، کتاب المعاملات، ۴: ۹۴

(۳٦) شمس پیرزادہ، جدید فقھی مباحث، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، ۳: ۴۱۷، ۴۲۰

(۳۷) ایضا جدید فقھی مباحث، ۳: ۴٦۳

(۳۸) ایضًا جدید فقھی مباحث، ۳: ۴۵۲، ۴۵۳

(۳۹) ھدایہ، کتاب البیوع، باب المرابحۃ والتولیۃ

(۴۰) فتاوی عالمگیری، ۴: ۸۰، کتاب البیوع، باب: ۱۰

(۴۱) مفتی عبدالرحیم، فتاویٰ رحیمیہ، کراچی، دارالاشاعت، ۱۹۹۹ء، کتاب البیوع، ۹: ۲۵۲، ۵۳

(۴۲) جدید فقھی مباحث، ۳: ۴۵۹

(۴۳)مولانا اشرف علی تھانوی، امداد الفتاویٰ، کراچی، مکتبہ دارالعلوم، ۱۳۹۷ھ، کتاب البیوع، ۳: ۲۰

(۴۴) مفتی نظام الدین، نظام الفتاویٰ، لاھور، مکتبہ رحمانیہ، ۱۴۲۰ھ، ۲: ۳۱۵

رسالہ المباحث الاسلامیہ خود بھی پڑھیں دوسروں کو بھی پڑھائیں،
خود خریدار بنئے اور دوسروں کو خریدار بنائیں کہ یہ بھی ایک دینی خدمت ہے

© rasailojaraid.com